

خودکشی

ایک سنگین حیرم

تالیف

محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا)

جامعہ رحمانیہ، عربیہ، اسلامیہ، دارالعلوم، وناپور، گودھرا

ناشر

مدرسہ جامعہ رحمانیہ اسلامیہ، دارالعلوم وناپور، گودھرا، گجرات

Mo. 9824484413

خودکشی

ایک سنگین جرم

تالیف

محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا)

ناشر

مدرسہ جامعہ، رحمانیہ، عربیہ، اسلامیہ، دارالعلوم وناکپور، گودھرا، گجرات

MO:9824484413

تفصیلات

کتاب کا نام: خودکشی ایک سنگین جرم

مؤلف: محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا) MO:7698364621

سن اشاعت: ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء

تعداد: ۱۰۰۰

ناشر: مدرسہ جامعہ، رحمانیہ، عربیہ، اسلامیہ، دارالعلوم ونا کپور، گودھرا، گجرات

ملنے کا پتہ

مدرسہ جامعہ، رحمانیہ، عربیہ، اسلامیہ، دارالعلوم ونا کپور

گودھرا، گجرات انڈیا۔

MO:9824484413

فہرست مضامین

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	دعائیہ کلمات: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خاں پوری مدظلہم العالی	۷
۲	تقریظ: حضرت اقدس مفتی ابراہیم صاحب آچھودی صاحب مدظلہم	۸
۳	رائے گرامی: حضرت مولانا عبدالستار صاحب بھاگلپور مدظلہم العالی	۹
۴	عرض حال	۱۰
۵	عالمی صورت حال	۱۲
۶	خودکشی کے اسباب و عوامل	۱۴
۷	(۱) سماجی مسائل	۱۴
۸	(۲) اقتصادی مسائل	۱۵
۹	(۳) نفسیاتی مسائل	۱۵
۱۰	(۴) اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا بے جا استعمال	۱۶
۱۱	(۵) نشہ آور اشیاء کا استعمال	۱۷

۱۸	خودکشی کا حل	۱۲
۱۹	(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و توکل	۱۳
۲۳	(۲) تقدیر پر راضی رہنا	۱۴
۲۵	(۳) اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا	۱۵
۲۷	(۴) آخرت پر کامل یقین	۱۶
۳۲	(۵) مصائب پر ملنے والا اجر و ثواب	۱۷
۴۵	(۶) خودکشی کا اخروی عذاب	۱۸
۵۳	اطمینان قلب کے ذرائع	۱۹
۵۳	(۱) قرآن کریم سے تعلق	۲۰
۵۴	(۲) ذکر و اذکار اور دعا	۲۱
۵۵	(۳) حوصلہ افزاء واقعات	۲۲
۶۰	کیا خودکشی کرنے والے کی مغفرت ہو سکتی ہے؟	۲۳
۶۴	آخری بات	۲۴

۶۶	شادی بیاہ	۲۵
۶۶	نبی اکرم ﷺ کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح	۲۶
۶۷	حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا نکاح	۲۷
۶۸	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح	۲۸
۷۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح	۲۹
۷۱	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا واقعہ	۳۰
۷۳	پیغام نکاح	۳۱
۷۵	منگنی	۳۲
۷۵	شادی کارڈز (کنکوتری)	۳۳
۷۶	شادی ہال، شامیانہ، سیٹج اور ڈی۔ جے۔	۳۴
۷۶	مہندی لگانا	۳۵
۷۶	مہر	۳۶
۷۷	جہیز کا سامان	۳۷

۷۷	شب زفاف	۳۸
۷۸	پہلی ولادت کا خرچ	۳۹
۷۹	مؤلف کی دیگر تالیفات	۴۰



دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خاں پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ، تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

باسمہ تعالیٰ

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا تازہ تالیف کردہ کتابچہ بنام ”خودکشی ایک سنگین جرم“ موصول ہوا، آپ نے اس کتابچہ میں خودکشی کے اسباب و عوامل اور خودکشی کے خیال کو دور کرنے والے اعمال کی طرف رہنمائی کی ہے، اور وقت کے تقاضہ کے مطابق ایک حساس موضوع پر کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سچی جمیل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور امت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ فقط والسلام

املاہ

(حضرت اقدس مفتی احمد خاں پوری) صاحب دامت برکاتہم العالیہ

۲۵، شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۸، اپریل ۲۰۲۱ء

تقریظ

حضرت اقدس مفتی ابراہیم آچھودی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث: جامعہ رحمانیہ، دارالعلوم، ونا کپور، گودھرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامد اومصلیٰ و مسلماً

مولانا محمد ادریس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ باذوق عالم دین ہیں، جن امور کی لوگوں کو احتیاج ہوتی ہیں، انہیں کی طرف ان کا ذہن سبقت کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ تالیفات کو قبولیت عامہ و خاصہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کے فیض کو عام و تمام فرمائیں، اور لوگوں کو ان سے زیادہ زیادہ فائدہ پہنچائیں۔ آمین

ناکارہ

(حضرت اقدس مفتی) ابراہیم آچھودی (صاحب دامت برکاتہم)

رائے گرامی

حضرت مولانا عبدالستار بھاگلپا صاحب دامت برکاتہم

مہتمم: جامعہ رحمانیہ، دارالعلوم، ونا کپور، گودھرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خودکشی اسلام میں ایک سنگین جرم ہے، جس پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس کے باوجود آج ہمارے معاشرہ میں جہیز، قرض اور مختلف پریشانیوں اور معمولی اعذار کی بنیاد پر خودکشی کے واقعات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائیں۔

عزیزم مولانا محمد ادریس سلمہ اللہ نے خودکشی کے عنوان پر یہ کتابچہ تحریر فرمایا ہے، جسے مختلف جگہوں سے پڑھنے کا موقع ملا، واقعی اس کتابچہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت سی باتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور امت کے لیے اس کتاب کو خودکشی سے رکنے کا ذریعہ بنائیں۔ فقط والسلام

(حضرت مولانا) عبدالستار بھاگلپا (صاحب مدظلہم العالی)

عرض حال

گذشتہ چند سال سے مسلمانوں میں خودکشی کے واقعات میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، حالاں کہ مذہب اسلام میں یہ عمل انتہائی سنگین جرم ہے، قرآن وحدیث میں اس جرم پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لوگ پریشانیوں میں گھر کر ان پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کا واحد حل ”خودکشی“ سمجھتے ہیں، حالاں کہ کبھی خودکشی کرنے والے خودکشی کرنے کے نتیجہ میں ان چھوٹی چھوٹی پریشانیوں سے نکل کر عالم برزخ اور آخرت کی بڑی پریشانیوں اور عذابات میں گرفتار ہو جاتے ہیں جو پریشانیاں وعذابات دنیا کی تکالیف اور پریشانیوں کے مقابلہ میں کئی گنا سخت ہوتی ہیں۔

پیش نظر کتاب میں **اولاً**: خودکشی کے بارے میں عالمی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ثانیاً: خودکشی کے اسباب وعوامل [(۱) سماجی مسائل (۲) اقتصادی مسائل (۳) نفسیاتی مسائل (۴) اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا بے جا استعمال (۵) نشہ آور اشیاء کا استعمال وغیرہ] پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ثالثاً: خودکشی کے خیال کو دور کرنے میں اہم رول ادا کرنے والے مندرجہ ذیل چھ امور ذکر کیے گئے ہیں۔ [(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد (۲) تقدیر پر راضی رہنا (۳) آخرت پر کامل یقین (۴) اللہ کی رضا پر راضی رہنا (۵) مصائب پر ملنے

والا اجر و ثواب (۶) خودکشی کا اخروی عذاب [

رابعاً ”اطمینان قلب کے ذرائع“ اور ”چند حوصلہ افزاء واقعات“ ذکر کیے گئے ہیں۔

آخر میں خودکشی کی سب سے اہم وجہ ”شادی بیاہ کی غلط رسومات“ پر مختصر روشنی ڈال کر اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔

اگر آدمی ان امور کو پیش نظر رکھے تو انشاء اللہ خودکشی کا خیال اس کے دل سے نکل سکتا ہے، اور ایسا آدمی سکون و اطمینان کی کیفیت حاصل کر سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کاوش کو شرف قبول عطا فرما کر بندگان خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

اس کتاب کی تالیف و ترتیب اور طباعت میں جن لوگوں کا تعاون شامل رہا اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: اہل قلم حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کتاب کا اپنی اپنی مادری زبان میں ترجمہ کر کے اسے خوب شائع کریں۔

محمد ادریس بن محمد یوسف گونیا (گودھرا)

مدرسہ جامعہ، رحمانیہ، دارالعلوم، وناکپور، گودھرا، گجرات

۱۲، شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۶، مارچ ۲۰۲۱ء

بروز: جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ دور ترقی یافتہ دور ہے، آرام و آسائش اور ذہنی و جسمانی تفریح کے لیے ان گنت وسائل کی فراوانی ہے، وسائل و سہولیات کی بہتات کے باوجود انسانی زندگی حقیقی چین و سکون اور قلبی اطمینان سے محروم ہے، بے اطمینانی، بے چینی اور بے سکونی اور دیگر دنیاوی الجھنوں کی وجہ سے انسانیت مضطرب ہو گئی ہے، سماج و معاشرے میں برائیوں اور جرائم کا سیلاب ہے، انہیں بڑھتے ہوئے خوفناک جرائم میں سے ایک گناہ ”خودکشی“ ہے۔

عالمی صورت حال

دنیا میں خودکشی کے رونما ہونے والے واقعات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عالمی ادارہ صحت WHO (ورلڈ ہیلتھ اورگنائزیشن) کی رپورٹ کے مطابق ہر سال آٹھ لاکھ تک خودکشیاں ہوتی ہیں، یعنی ہر چالیس سکینڈ میں ایک آدمی خودکشی کر کے اپنی جان لیتا ہے، دنیا میں کل اموات میں خودکشی کی وجہ سے ہونے والی اموات کی شرح ایک اعشاریہ آٹھ فیصد ہے، ایک سروے کے مطابق دنیا میں ہر تین سکینڈ میں خودکشی کی کوشش کی جاتی ہے، ان میں سے ہر بیس میں سے ایک آدمی خودکشی کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور انیس ناکام ہوتے ہیں، ۱۵ سے ۲۹ سال کی عمر کے نوجوانوں میں خودکشی کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے، یہ نوجوانوں کی اموات کی دوسری سب سے بڑی وجہ ہے، ستر سے زیادہ عمر کے لوگوں میں بھی خودکشی کا خطرہ

بڑھ جاتا ہے۔

عالمی سطح پر اگر خودکشی کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یورپین ممالک اور یونین یورپین اس میں آگے ہیں، جہاں سیکولر نظام قائم ہے، جہاں ہر قسم کی مذہبی و شخصی آزادی ہے، یہ ممالک غربت و افلاس سے دوچار نہیں ہیں، بلکہ خوشحال ہیں، سرفہرست ممالک میں ساؤتھ کوریا، گیانا، لیتھونیا، سری لنکا وغیرہ ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی گذشتہ چند سالوں میں حیرت انگیز طور پر خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے، عالمی ادارہ صحت (ورلڈ ہیلتھ اورگنائزیشن) کی تیار کردہ رپورٹ کے مطابق ہندوستان سرفہرست ممالک میں بارہویں نمبر پر ہے۔

وسائل آشنائیں و آرام کی فراہمی کے باوجود لوگوں کے درمیان خودکشی کے اس بڑھتے رجحان کے پیچھے کیا عوامل و اسباب ہیں؟ کیوں ایک آدمی اپنی عزیز جان کا دشمن بن کر اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر کر اعزاء و اقارب کو غم و اندوہ میں چھوڑ جاتا ہے اور ان کے لیے معاشرے میں بدنامی کا سبب بن جاتا ہے؟ حد تو یہ کہ ہر عمر کے افراد اس میں ملوث نظر آتے ہیں، درج ذیل سطور میں چند عوامل و اسباب کی طرف مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے۔

اسباب و عوامل

(۱)

سماجی مسائل

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خودکشی کی سب سے بڑی اور اہم وجہ سماجی مسائل و عوامل ہیں، معاشرے اور سماج میں روز افزوں خاندانی جھگڑے (اولاد والدین، میاں بیوی، ساس بہو، بھابھی نند، بھائی بھائی کے درمیان جھگڑے) اہل حقوق کے حق کی پامالی، معاشرے میں پھیلی منافرت، بد امنی، ظلم و تشدد، قتل و غارت گری و فتنہ فساد کے بڑھتے واقعات، حکومتوں و سرکاری اداروں میں نا انصافی، عوام کے ساتھ ان کا رویہ، جہیز کے بے جا مطالبات، نا خوشگوار شادیاں، تعلیمی دباؤ، والدین کی بے جا محبت و سختی، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بڑھتے ناجائز تعلقات وغیرہ سماج و معاشرے کے ایسے الجھے ہوئے مسائل ہیں جو انسانوں کے اندر ذہنی تناؤ کے اسباب بن رہے ہیں، ان مسائل کی وجہ سے بسا اوقات رعنائیوں اور دلکش مناظر سے مزین دنیا بھی سیاہ نظر آنے لگتی ہے، لوگ دل برداشتہ ہونے لگتے ہیں اور اپنی جان اپنے ہی ہاتھوں ختم کر لینا ذریعہ نجات تصور کرتے ہیں، یہی وجہ ہے ماہرین سماجیات کے نزدیک گھریلو جھگڑے وغیرہ خودکشی کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔

(۲)

اقتصادی مسائل

اقتصادی مسائل خودکشی کی طرف بڑھتے رجحان کا دوسرا اہم سبب ہیں، اشیائے خورد و نوش کی فراوانی و بہتات کے باوجود غربت و افلاس کی وجہ سے جہاں فاقہ کش لوگ بھوکے مر رہے ہیں، وہیں جن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہوتا ہے، وہ قبل از وقت اپنے ہاتھوں اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں، بے روزگاری، فصلوں کی تباہی، بزنس کا دیوالیہ ہو جانا اور ملازمت کے حصول میں ناکامی ایسے اقتصادی مسائل ہیں جو خودکشی کے اسباب بن رہے ہیں۔

(۳)

نفسیاتی مسائل

نفسیاتی مسائل بھی خودکشی کی بڑی وجہ ہیں، جتنی تیزی سے دنیا ترقی کی جانب رواں دواں ہے اتنی ہی تیزی سے لوگ نفسیاتی مسائل سے دوچار ہو رہے ہیں، ڈپریشن (Depression)، اینزائٹی (Anxiety)، اسٹریس (Stress) کچھ ایسے نفسیاتی مسائل ہیں جنہیں ٹینشن کہا جاتا ہے، ذہنی و نفسیاتی تفریحات کے لیے نئی نئی ایجادات کے باوجود اس میں روز اضافہ ہی ہو رہا ہے، مشترکہ خاندانی نظام کی تنزلی، انسانوں کے بدلتے رویے، دنیا کی ہوس، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی چاہت، باہمی تعاون کا فقدان اور لاعلاج امراض

وغیرہ کچھ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے دن بدن نفسیاتی مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے، ان مسائل سے دوچار لوگوں کو دنیا اپنی وسعت کے باوجود تنگ نظر آنے لگتی ہے، آدمی کسی کو اپنا مددگار و معاون نہیں پاتا اور بالآخر انسان گردش حالات سے تنگ آ کر سب سے جدا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

(۴)

اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا بے جا استعمال

اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ لوگوں کی ایک ضرورت ہے، اس کی وجہ سے جہاں انسانوں سے روابط آسان ہو گئے، دنیا کے کسی کونے میں بسنے والے سے اتصال ممکن ہو گیا ہے، انٹرنیٹ میں معلومات کا ذخیرہ ہے، مطلوبہ شئی سکینڈوں میں دستیاب ہو جاتی ہے، وہیں اس کے بے جا اور غلط استعمال سے سماج و معاشرے اور خصوصاً نوجوانوں اور بچوں پر مضر اثرات مرتب ہوئے ہیں، اس کے بے جا اور ضرورت سے زیادہ استعمال نے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، آپسی تعلقات ختم ہو گئے، جس کے سبب لوگ مختلف ذہنی و جسمانی عوارض و امراض کے شکار ہو رہے ہیں، متعدد ذرائع کے مطابق لوگوں میں بڑھتے ڈپریشن کی ایک اہم وجہ اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا بے جا استعمال ہے۔

امریکہ کے ”فلوریڈا اسٹیٹ انٹرنیشنل اسکول“ کے محققوں کے مطابق اسمارٹ فون پر زیادہ وقت گزارنے سے خودکشی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

تھومس جونز کا کہنا ہے کہ: اسکرین پر زیادہ وقت گزارنے اور خودکشی کے خیال آنے اور اس کی کوشش کرنے کے درمیان گہرا ربط ہے، پانچ گھنٹے یا اس سے زیادہ وقت اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ میں گزارنے سے ۴۸ فیصد لوگوں میں خودکشی سے متعلق کارکردگی دیکھی گئی ہے۔

سنٹر فور ڈیزیز کنٹرول کے مطابق ۲۰۱۰ء کے بعد ۱۲ سے ۱۸ کی عمر کے بچوں میں خودکشی کے شرح میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہوا ہے، اس میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔

یہ تو کچھ اعداد و شمار ہیں، جب کہ اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ سے ہونے والے نقصانات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

(۵)

نشہ آور اشیاء کا استعمال

موجودہ سماج و معاشرے میں نشہ آور اشیاء کا استعمال عام ہی نہیں بلکہ ایک فیشن ہو گیا ہے، نشہ کا شکار طبقہ اپنی ذمہ داری سے بے پرواہ، اپنی دنیا میں مست مگن ہو کر زمین میں فتنہ و فساد کا سبب بن رہا ہے، نشہ آور اشیاء کی کھلے عام فروخت اور اس کا استعمال معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہا ہے، اس کا استعمال بلا واسطہ جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی نقصان کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے، گزشتہ کچھ سالوں میں منشیات کے استعمال سے خودکشی کے رجحان یا حالت نشہ میں خودکشی کے واقعات میں کافی اضافہ

ہوا ہے۔

خودکشی کے بڑھتے رجحان کے یہ چند اسباب و عوامل ہیں، ان کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک خودکشی کے روک تھام کے لیے اسلامی تعلیمات کی بات ہے تو اسلام ایک طرف گذشتہ سطور میں بیان کیے گئے اسباب و عوامل سے پریشان افراد کے متعلقین، اعزاء و اقارب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حتی المقدور ان کی الجھنیں ختم کرنے کی کوشش کریں، ان کے درد کا مداوا کریں، والدین، اولاد، اہل خاندان، رشتہ دار، دوست اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ان کے لیے سامان سکون فراہم کریں، حکومت اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے حقوق کی ادائیگی کرے، ان کی مشکلات و پریشانیوں کو دور کر کے اس جرم عظیم سے بچنے کا ذریعہ بنے، وہی اسلام گردش حالات سے مایوس و ناامید لوگوں کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ (ماہنامہ: رفیق منزل مع حذف و اضافہ)

خودکشی کا حل

ان مذکورہ تمام اسباب میں اصل چیز ”پریشانی“ ہے، چاہے وہ پریشانی سماجی مسائل کی وجہ سے ہو یا اقتصادی مسائل کی وجہ سے ہو یا نفسیاتی مسائل کی وجہ سے ہو یا اور کسی وجہ سے ہو۔ ان پریشانیوں میں گھر کر جب آدمی کوئی حل نہیں پاتا تو وہ خودکشی کی طرف مائل ہوتا ہے، اگر ان اسباب اور اس جیسے دوسرے اسباب میں

گھرا ہوا آدمی جسے خودکشی کا خیال آتا ہے، مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھے تو انشاء اللہ خودکشی کا خیال اس کے دل سے نکل سکتا ہے، اور ایسا آدمی سکون و اطمینان کی کیفیت حاصل کر سکتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و توکل

(۲) آخرت پر کامل یقین

(۳) تقدیر پر راضی رہنا

(۴) اللہ کی رضا پر راضی رہنا

(۵) مصائب پر ملنے والا اجر و ثواب

(۶) خودکشی کا اخروی عذاب

اب ان امور کو ترتیب وار قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و توکل

اللہ کی ربوبیت، اس کی خالقیت، مالکیت، رزاقیت اور جملہ صفات حمیدہ پر ایمان جازم ایسی قوت و طاقت فراہم کرتا ہے جو دنیاۓ فانی میں ہر طرح کی مصائب و مشکلات کے تھپڑوں کے روبرو ہونے اور سامنا کرنے کا مادہ رکھتی ہے، جس کے اندر زمین و آسمان، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، جنگل، دریا، درخت، حیوانات و نباتات کے خالق و مالک اور رازق کا تصور ہو وہ کبھی بھی دنیا کے چند ساعتوں کی

مشکلات و مصائب سے گھبرا کر یا مایوسی و ناامیدی کا شکار ہو کر اپنی عزیز جان کا دشمن نہیں بن سکتا ہے، کیوں کہ اس کے علم میں ہوتا ہے کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے قبضہ و قدرت میں زمین و آسمان اور زمین و آسمان میں موجود تمام چیزیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رخا نہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا ہے یا نہیں ملتا ہے، سب براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لیے اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عالم وجود میں اسباب کی کارفرمائی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں ”اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و توکل“ ہے۔ (معارف الحدیث)

قرآن و احادیث میں اللہ کی ذات پر اعتماد حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے حاصل کرنے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔

آیات

(۱) توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے۔

(پارہ: ۱۳، رکوع: ۱۴، آیت: ۱۲)

(۲) جب آپ کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل و اعتماد کریں، بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (پارہ: ۴، رکوع: ۸، آیت

(۱۵۹:

(۳) جو آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ (پارہ:

۲۸، رکوع: ۱۷، آیت: ۳)

یعنی اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو پورا کر دیتا ہے۔

ان تینوں آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر توکل و اعتماد کرنا چاہیے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور اسی کے نتیجہ میں آدمی کے دنیوی و اخروی کام پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

حدیث

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے

گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر۔

اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز کا نفع پہنچائے تو صرف اسی چیز کا تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دی ہے، اس کے سوا کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکے گی اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز کا نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکے گی جس کا نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے تیرے لیے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز کا تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکے گا، قلم اٹھ چکے اور صحیفے خشک بھی ہو چکے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح

حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ و آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یاد رکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس

سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے، لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لیے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔ (معارف الحدیث)

(۲)

تقدیر پر راضی رہنا

اسلام نے جن امور پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے، ان میں سے ایک ”تقدیر پر ایمان“ لانا ہے، تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس بات کا پختہ یقین رکھے کہ اس کا رخانہ عالم میں جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کو اس عالم کو وجود دے جانے سے پچاس ہزار سال پہلے سے لکھ دیا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لگے بندھے اور مربوط نظام کے مطابق ہی ہو رہا ہے، اس میں ایک ذرہ برابر بھی کمی و بیشی اور تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی ہے۔

جب انسان کے دل میں یہ عقیدہ راسخ اور پختہ ہوگا تو وہ کبھی بھی ناسازگار حالات کی وجہ سے رنجیدہ نہیں ہوگا، بلکہ اسے دل کے اندر سے یہ آواز آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کیا ہوگا وہی ہوگا، اور اسی میں میرے لیے کوئی نہ کوئی خیر پوشیدہ ہوگی تقدیر پر پختہ ایمان رکھنے کے بے شمار فوائد ہیں، ان میں کچھ فوائد کو ذکر کیا

جاتا ہے۔

(۱) تقدیر پر ایمان رکھنے سے اللہ تعالیٰ پر اس کا اعتماد و توکل مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ پر اعتماد و توکل کامل ہی ایک مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ و اثاثہ ہے۔

تقدیر پر ایمان، دنیا کی کج رویوں سے ٹکرانے کا حوصلہ دیتا ہے۔
تقدیر پر ایمان، راہِ الہی میں آنے والی مصیبتوں کو مسکرا کر سہنے کی طاقت و قوت عطا کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان اس بات کی ہمت عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے ایمان و عقیدے کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دے۔

(۲) تقدیر پر ایمان لانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی زندگی کے تمام مسائل میں انشراح صدر اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور اسے اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ بقول رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم: اگر پوری دنیا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے، جتنا اس نے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر مجھے نفع پہنچانا چاہے تو بھی صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا خود اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے۔

(۳) تقدیر پر ایمان لانے کا تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال نیک پر غرور اور تکبر نہیں کرتا کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں جو بھی نیک کام انجام دے رہا ہوں وہ محض توفیق الہی سے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے دستاویز کے مطابق انجام پذیر ہو رہے ہیں، یہی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان نیک کاموں کی انجام دہی کی

توفیق سے محض اپنے فضل و کرم سے نواز رہا ہے، جب یہ خیال بندہ کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو وہ اخلاص عمل اور اخلاص نیت کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور بتاؤ تو سہی! اس سے بڑی دولت اور کیا ہو سکتی ہے؟!!!

(۴) تقدیر اور اس کے خیر و شر پر ایمان لانے سے چوتھا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثے سے دوچار ہونے کے باوجود انسان اپنے اعصاب نہیں کھوتا، وہ زندگی کے ہر طوفان کو مسکرا کر ٹال دیتا ہے بجلیاں چمکتی ہیں تو مسکرا کر جواب دیتا ہے، مصائب و آلام کی گھن گھرج کو ایسا آدمی تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا، ناکامیوں کو کامیابی میں بدلنے کا جذبہ و حوصلہ اس کے اندر موجزن رہتا ہے، وہ قدرت کو نہیں کوستا بلکہ اپنی غلطی کا احساس کر کے اسے سدھارنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ (ماخوذ)

(۳)

اللہ کی رضا پر راضی رہنا

خوشی، غمی، راحت، تکلیف، نعمت ملنے، نہ ملنے الغرض ہر اچھی بری حالت خوش ہونا یا صبر کرنا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شکوہ یا داویدا وغیرہ نہ ہو اللہ عز و جل کی رضا پر راضی رہنا، کہلاتا ہے۔

جب انسان قلبی ایمان و یقین کے نتیجے میں اس حقیقتِ نفس الامری کا ادراک کر لیتا ہے کہ اس کائنات اور عالم اسباب و علل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اذن

خداوندی سے ہو رہا ہے، تو اللہ اس کے دل کو تسلیم و رضا کی ہدایت بخشتا ہے اور اسے قلبی اطمینان و سکون کی دولت سے نوازتا ہے، اور جب انسان اس مقام تسلیم و رضا پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے احساسات فی الواقع یہ ہو جاتے ہیں کہ مجھے بھی وہی پسند ہے جو میرے رب نے میرے لیے پسند کیا ہے، وہ میرا مولیٰ ہے، آقا ہے، پروردگار ہے، خالق و مالک ہے اور مزید برآں میرا خیر خواہ ہے، جو میری مصلحتوں کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، لہذا مجھے اس کا ہر فیصلہ بسر و چشم قبول ہے۔

جب کسی بندہ مؤمن کے دل میں راضی برضائے رب ہونے کی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اسے سینکڑوں الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے، اور اس کے نہاں خانہ قلب میں نہ حزن و ملال مستقل طور پر ڈیرہ ڈال سکتے ہیں، نہ حسرتوں کے الاؤ سلگتے ہیں اور نہ ہی اسے گونا گوں قسم کی محرومیوں اور دل شکنیوں کے اس کرب سے سابقہ پیش آتا ہے جو بسا اوقات اختلال ذہنی کا سبب بنتا ہے۔ (ماخوذ)

ایسا بندہ ”کیوں“ اور ”کیسے“ کو اپنی زندگی سے نکال دیتا ہے، ”کیوں“ اور ”کیسے“ دونوں الفاظ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کے خلاف ہیں۔

ایسا بندہ ”اگر“ اور ”کاش“ کو بھی اپنی زندگی سے نکال دیتا ہے، ”اگر“ اور ”کاش“ یہ دونوں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ رضا پر راضی رہنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

کئی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے یا کوئی مالی نقصان پہنچتا ہے تو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ”اگر میں یوں کر لیتا تو نقصان نہ ہوتا، یا کاش! میں یوں کر لیتا۔“ وغیرہ وغیرہ۔

عقل مندی اسی میں ہے کہ بندہ ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرے، اس کے فوائد اور نقصانات پر پہلے ہی غور و فکر کر لے، پھر اس کام کے کرنے پر نفع ہو یا نقصان ہو تو اسے تقدیر الہی جانتے ہوئے راضی رہے، اس پر شکوہ شکایت نہ کرے، واویلا نہ مچائے بلکہ ظاہری اسباب کو اختیار کرتے ہوئے آئندہ کے لیے کوشش کرے۔

(۴)

آخرت پر کامل یقین

آخرت پر یقین کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا، پھر ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اچھے برے کا بدلہ دیا جائے گا، یہاں تک کہ جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔

یوم آخرت پر ایمان ارکانِ ایمان میں سے ایک رکن ہے جس کے بغیر ایمان درست نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ حقیقۃً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا ہو۔ (البقرہ: ۱۷۷)

قرآن کریم نے یوم آخرت پر ایمان کا بڑی اہمیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ہر موقع پر اس کی جانب توجہ دلائی ہے، اور اس کے واقع ہونے کو عربی زبان کے مختلف اسلوبوں میں بیان کیا ہے اور کئی ایک مقامات پر آخرت پر ایمان کو اللہ عز و جل کے ایمان کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظلم کو صحیح نہیں کہتا اور نہ ظالم کو بے سزا اور نہ مظلوم کو بغیر انصاف کے اور نہ احسان کرنے والے کو بغیر ثواب و جزاء کے چھوڑتا ہے، ہر صاحب حق کو حق دیتا ہے، ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ظالم ظلم ہی پر جیتا اور مرتا ہے پھر بھی اسے سزا نہیں ملتی، اور جو آدمی مظلوم ہے حالت مظلومیت میں جیتا اور مرتا ہے، اسے اس کا حق نہیں ملتا، اس کا مطلب کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو قبول نہیں کرتا؟! اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسری زندگی اور دوسری میعاد ہے جہاں آدمی کو اچھے کا اچھا اور برے کا برابر ملے گا اور ہر ایک کو اس کا حق مل جائے گا۔

حیاتِ آخرت کے بارے میں عموماً تین طرح کے عقیدے پائے جاتے

ہیں:

(۱) دہریوں کے نزدیک

مرنے کے بعد انسان فنا ہو جائے گا، اس کے بعد نہ کوئی دوسری زندگی ہے اور نہ جزا و سزا، قرآن مجید نے ان کے اس عقیدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا جینا اور مرنا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو، درحقیقت اس معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔“ (الجالثیہ: ۲۴)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔“ (الدخان: ۳۴، ۳۵)

(۲) اہل تناسخ کے نزدیک

انسان اچھے یا برے اعمال کا بدلہ پانے کے لیے دنیا میں بار بار جنم لیتا رہے گا، اچھے اعمال کے نتیجے میں عمدہ اوصاف اور اعلیٰ حیثیت کا مالک بن کر جنم لے گا اور اگر اعمال برے ہیں تو حیوانات و نباتات اور کیڑے مکوڑے کی شکل میں دنیا میں آئے گا، گویا ان کے نزدیک موت کے معنی فنا نہیں، بلکہ جسم کی تبدیلی کے ہیں۔

افسوس کہ انسانوں کی زیادہ تر تعداد آج اسی طرح کے باطل عقیدہ میں گرفتار ہے اور گمراہی کی زندگی بسر کر رہی ہے، آخرت کی زندگی کا یقین نہ ہونا ان کی زندگی کو بے لگام کر دیتا ہے، ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن نے کہا ہے:

” (حقیقت یہ ہے کہ) آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔“ (السا: ۸)

(۳) انبیاء کے نزدیک

انبیاء کے ماننے والے اہل ایمان ہیں، یہی وہ عقیدہ ہے جس کی درستگی ایمان کی تکمیل کرتی ہے، یہ عقیدہ اپنے ماننے والوں پر دوبارہ زندہ کیے جانے اور حساب و کتاب کے یقین و تصدیق کو لازم کرتا ہے، جس کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

”دُرّاء! انہیں اس دن سے جب کہ زمین و آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر

دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد وقہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔“ (ابراہیم: ۴۸)

جب انسان آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی نعمتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، زندگی بھر اس دنیا میں اللہ کی راہ میں اٹھائی جانے والی پریشانیاں آخرت کے ایک لمحہ بھر کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

ایسے ہی زندگی بھر کی ناز و نعمت اور عیش و عشرت آخرت کے ایک لمحہ کی نعمت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک مسلمان کو یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے نصیب کو پا کر رہے گا، دنیا کی زندگی کی کوئی بھی چیز اگر اس سے فوت ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ غم میں مبتلا ہو کر اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا چاہیے، بلکہ اسے جدوجہد کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ اچھا عمل کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، اگر دنیا میں اس کے ساتھ ذرہ برابر ظلم ہوا ہوگا یا اسے دھوکہ دیا گیا ہوگا تو قیامت کے دن اسے پورے پورا بدلہ دیا جائے گا، جب اسے یہ علم ہوگا کہ ایسی اہم گھڑی میں اس کا حصہ اسے مل کر رہے گا تو وہ کیوں کر غم کرے گا؟

آخرت پر سچا و پکا ایمان (یعنی موت کے بعد دوبارہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور دنیا میں کیے گئے اعمال کے متعلق پوچھ ہوگی) انسان کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنے، اپنے اعمال کا حساب کتاب لینے کا احساس دلاتا ہے، اس کے اندر جواب

دہی کا شعور پیدا کرتا ہے، اور کسی بھی عمل کے انجام کے بارے میں غور و فکر کی ترغیب دیتا ہے، ساتھ ہی اس کے انجام سے آگاہ کرتا ہے، آخرت پر ایمان رکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کے تمام اچھے برے اعمال کا حساب ہوگا اور جس کا اسے جواب دینا ہوگا۔ لہذا کوئی بھی ایسے غلط قدم اٹھانے سے پہلے وہ غور و فکر کرے گا جس کا آخرت میں اس کے پاس جواب نہ ہو۔ (ماخوذ)

عقیدہ آخرت کا ماحصل

خلاصہ یہ کہ عقیدہ آخرت کے اثرات انسان کی زندگی پر لامحالہ پڑتے ہیں، جواب دہی کا احساس اسے نیکی و تقویٰ کی راہ پر لا کھڑا کرتا ہے، اس کے افکار کو ایمان کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اس کا ایمان اسے اچھے اخلاق اور نیک اعمال کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے اور اس کا ایمانی شعور اسے ہر برائی سے کاٹ کر اس راہ پر ڈال دیتا ہے جو اسے رب ذوالجلال کی رضا مندی کی طرف لے جانے والی اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل کرنے والی ہے، لیکن اگر آخرت کا عقیدہ کمزور ہوا، یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور ثواب اور سزا کا تصور ذہنوں سے ختم ہو گیا یا اسلامی عقیدہ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تو انسان فکری بگاڑ و عملی بگاڑ و اخلاقی فساد کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اس کی ایمانی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، وہ بد اعمالیوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور پھر وہ ایسے راستے پر چل پڑتا ہے جو اسے شیطان کی طرف لے جاتا ہے اور آخر کار وہ شیطانوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے، جس کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین

(۵)

مصائب پر ملنے والا اجر و ثواب

دنیا دار الامتحان ہے، اس میں انسانوں کو آزمایا جاتا ہے، آزمائش سے کسی مومن کو بھی مفر نہیں، دنیا میں غم و مسرت اور رنج و راحت جوڑا جوڑا ہیں، ان دونوں موقعوں پر انسان کو ضبط نفس اور اپنے آپ پر قابو پانے کی ضرورت ہے، یعنی نفس پر اتنا قابو ہو کہ مسرت و خوشی کے نشہ میں اس میں فخر و غرور پیدا نہ ہو اور غم و تکلیف میں وہ اداس اور بددل نہ ہو، انسان کو اس جہاں میں طرح طرح کی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، قسم قسم کے ہموں و غموں اس پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور یہ تمام مصائب و آلام بیماری اور تکالیف سب کچھ منجانب اللہ ہے، اس پر ایمان و یقین رکھنا ایک مومن کے عقیدے کا حصہ ہے، کیوں کہ اچھی اور بری تقدیر کا مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ اطاعت پر مضبوط ہو کر نیکی کے کاموں میں جلدی کریں اور جو آزمائش انہیں پہنچی ہے، اس پر وہ صبر کریں تاکہ انہیں بغیر حساب اجر و ثواب دیا جائے، اور یقیناً اللہ کی سنت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو آزماتا رہے تاکہ وہ ناپاک کو پاک سے، نیک کو بد سے اور سچے کو جھوٹے سے جدا کر دے، لیکن جہاں تک ان کے اسباب کا تعلق ہے تو وہ سراسر انسان کو اپنے کیے دھرے کا نتیجہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”جو کچھ تمہیں مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے ہی

کردار کا نتیجہ ہیں جب کہ تمہارے بے شمار گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔
 عالم کل تین ہے، ایک عالم جنت جہاں سکون ہی سکون ہے، حزن و غم اور
 تکالیف و مصائب کا نام و نشان ہی نہیں ہے، دوسرا عالم، عالم دوزخ ہے، جہاں تکلیف
 ہی تکلیف ہے، سکون، راحت، چین کا نام و نشان نہیں ہے، تیسرا عالم، یہ دنیا
 ہے، جہاں کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی راحت و آسانی تو کبھی تکلیف و پریشانی، کبھی تنگی تو
 کبھی وسعت، کبھی بیماری تو کبھی صحت۔ ہر دو طرح کے حالات سے آدمی دوچار ہوتا
 رہتا ہے۔

پورے عزم و ارادے اور استقامت و پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ
 کرنے کا نام صبر ہے، صبر مصائب و مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے سب سے بڑی
 طاقت ہے، یہ ہر طرح کے غم و دکھ کا مقابلہ کرنے کا جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے، اس کا پیکر
 مصائب و مشکلات کے طوفان میں پہاڑ کی طرح ثابت قدم نظر آتا ہے، یہ مضبوط
 انسان کی پہچان ہے، جب کہ نوحہ و ماتم کناں ہونا کمزوری و بزدلی کی دلیل ہے،
 اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ہر طرح کے دکھ سکھ میں مرض و موت، یاروں کے بچھڑنے کا
 غم، برنس کا دیوالیہ، فصلوں کی تباہی وغیرہ میں صبر کا دامن لازم پکڑا جائے، ایسے لوگوں
 کے ساتھ ہمیشہ اللہ کی نصرت و مدد ہوتی ہے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی مصیبت، پریشانی، تکلیف، رنج، غم، بیماری
 یا مزاج کے خلاف کوئی امر پیش آئے تو بندہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور یہ
 تصور کرے کہ اس مصیبت اور تکلیف کے بدلے میں میرے لیے کوئی نہ کوئی دنیوی یا

اخروی خیر پوشیدہ ہے، اس تصور سے بڑی سی بڑی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے اور آدمی کو سکون و اطمینان کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

اسلام نے مصائب، آلام، پریشانیوں پر صبر کرنے کے ایسے فضائل پیش کیے ہیں کہ اگر انسان ان فضائل کو پیش نظر رکھیں تو کبھی خودکشی کی طرف مائل نہ ہو۔ یہاں قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جن پر غور و فکر کرنے کے نتیجے میں ہر قسم کے مسائل ہلکے ہو جاتے ہیں اور ایک مسلمان کو فرحت و انبساط کی ایسی کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ مصائب سے چھٹکارا پانے کے بجائے وہ مصائب میں گھرے رہنے کو پسند کرنے لگ سکتا ہے۔

چند آیات پیش خدمت ہیں:

(۱) آیت: بے شک اللہ؛ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۳)
معیت کا آسان مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں حوصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھو بلکہ میں تمہارے ساتھ ہوں، ایک مثال پر غور کرنے سے معیت کا مفہوم جلد سمجھ میں آ جائے گا۔

جیسے کوئی شخص کسی معاملہ میں بہت پریشان ہو کر کسی ایسے بڑے آدمی کے پاس جاتا ہے جو اس کا مسئلہ حل بھی کر سکتا ہے تو وہ بڑا اس پریشان حال آدمی کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے: گھبرانے اور فکر مند ہونے کی بالکل ضرورت نہیں! میں آپ کے ساتھ ہوں!

اسی طرح اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دلا سہ اور تسلی دیتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ دنیاوی مشکلات پر پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں، میں اللہ مسبب الاسباب تمہارے ساتھ ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر صبر کرنے والوں کو انعامات سے نوازنے کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۲) (اللہ کی طرف سے) خوشخبری دیجیے صبر کرنے والوں کو۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۵)
(۳) صبر کرو، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ (سورۃ ہود: ۱۱۵)

(۴) آج (قیامت) کے دن میں ان کے صبر کرنے کی جزاء دوں گا اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ (سورۃ المؤمنون: ۱۱۱)

(۵) صبر کرنے والے مرد اور خواتین۔۔۔ اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب: ۳۵)

(۶) اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ (سورۃ الزمر: ۱۰)

ان کے علاوہ دیگر آیات کریمہ میں بھی صبر کی تلقین، ترغیب اور صبر پر ملنے والے اعزازات و انعامات کا تذکرہ بہت خوبصورت انداز میں مذکور ہے۔

----- خلاصہ یہ ہے کہ -----

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں پر اپنی نصرت و مدد نازل فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اپنی معیت خاصہ نصیب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اپنی طرف سے خوشخبری کا مستحق قرار دیتے

ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی اس صفت کو اولوالعزم رسولوں کا شیوہ قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو رہنمائی کا امام قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو غالب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو فرشتوں کی سلامتی کا حق دار ٹھہراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو محبتیں (عاجزی اختیار کرنے والوں) میں شمار

فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو محسنین (احسان کرنے والوں) میں شمار

فرماتے ہیں اور ان کے اجر کو ضائع نہیں ہوتے دیتے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے لیے آخرت میں مغفرت کا اعلان فرمائیں

گے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اور عظیم اجر عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو انعام اور جزاء کے طور پر جنت کے محلات، بالا

خانے، نہریں اور اس کی تمام نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عافیت والی زندگی نصیب فرمائے

لیکن اگر آزمائش آجائے تو پھر دین سے پھرنے کے بجائے دین پر استقامت کے

ساتھ رہنا چاہیے، اس راستے میں آنے والی مشکلات پر صبر کرنا چاہیے۔

احادیث:

(۱) حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمانوں کو جب کوئی رنج، دکھ فکر، حزن ایداء اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ دور کر دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کو کسی بھی نوعیت کا یا کسی بھی طرح کا کوئی رنج و ملال اور مصیبت و غم پہنچے تو وہ اس کے صغیرہ گناہوں کے دور ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔۔۔ جس مسلمان کو بیماری کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ (اس طرح) دور کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کو کسی بھی نوعیت کی کوئی بیماری لگے تو وہ بیماری اس کے گناہوں کے دور ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۳) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی مثال کھیت کی تروتاز اور نرم شاخ کی سی ہے کہ جسے ہوائیں جھکا دیتی ہیں، کبھی اسے گرا دیتی ہیں اور کبھی سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے جو جما کھڑا رہتا ہے اسے کوئی جھٹکا

نہیں لگتا (یعنی نہ تو وہ ہوا کہ دباؤ سے گرتا ہے اور نہ جھکتا ہے) یہاں تک کہ وہ دفعۃً زمین پر آگرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

مؤمن کی مثال تو کھیتی کی تروتازہ اور نرم شاخ سے دی جا رہی ہے کہ جس طرح ہواؤں کے تھپڑے اس شاخ پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں بایں طور کہ کبھی وہ شاخ کو گرا دیتے ہیں کبھی سیدھا کر دیتے ہیں، مگر وہ شاخ ہواؤں کے سخت و تند تھپڑے کھا کھا کر اپنی جگہ اپنے وقت کے آخری لمحہ تک کھڑی رہتی ہے، اسی طرح مؤمن کا حال بھی یہی ہے کہ کبھی تو اسے مصائب و آلام اور ضعف و بیماری کے سخت تھپڑے گرا دیتے ہیں، کبھی صحت و تندرستی اور خوشی و مسرت کے جانفزا جھونکے ان کی زندگی میں بشارت و انبساط کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں، اس طرح وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرتا رہتا ہے۔

منافق کی مثال صنوبر کے درخت سے دی گئی ہے کہ جس طرح صنوبر کا درخت بظاہر ایک جگہ کھڑا رہتا ہے اور اس پر ہوا کا دباؤ اثر انداز نہیں ہوتا، مگر جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ یکبارگی زمین پر آ رہتا ہے، اسی طرح منافق کا حال ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں بظاہر خوش و خرم اور ہشاش بشاش نظر آتا ہے، نہ اس پر مصائب و آلام کی بارش ہوتی ہے اور نہ بیماری و ضعف کے تھپڑے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ یکبارگی بغیر کسی بیماری و ضعف کے موت کی وادی میں گر جاتا ہے۔

گویا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ مؤمن و مسلمان کی زندگی مصائب و آلام

اور تکلیف و پریشانی میں گزرتی ہے، کبھی وہ بیماری وضعف کے جال میں پھنسا رہتا ہے، کبھی اسے مال و زر کی کمی اپنی لپیٹ میں لیتی ہے، کبھی دوسرے دنیاوی حوادث و آلام اس کی روشن زندگی پر سیاہ بادل بن کر چھا جاتے ہیں، مگر مومن مسلمان اسی حالت میں جیے جاتا ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے حق میں اخروی سعادت و خوش بختی کی علامت قرار دی جاتی ہیں، بشرطیکہ وہ صبر و رضا اور شکر کا دامن کسی بھی مرحلہ پر ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

اس کے مقابلہ پر منافق و فاسق کی زندگی ہوتی ہے جس پر نہ تو زیادہ ترغیم و آلام کا سایہ ہوتا ہے، نہ بیماری و پریشانی کے سیاہ بادل اور نہ دوسری دنیاوی ذلت و ناکامی اور مصیبت و پریشانی کا چکر، بلکہ وہ بظاہر تندرست و توانا اور خوش و خرم رہتا ہے، اس طرح نہ اسے وہ درجہ ملتا ہے جو مصائب و پریشانی میں مبتلا ہو کر مومن و مسلمان کی اخروی کامیابی و فلاح کا ضامن بنتی ہے۔ (مظاہر حق)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت ام صائبؓ کے پاس (جو تپ و لرزہ میں مبتلا تھیں) تشریف لائے اور (ان کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ یہ تمہیں کیا ہوا جو کانپ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ بخار ہے، اللہ اس میں برکت نہ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو کیوں کہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔ (مسلم)

معمولی درجہ کے بخار کی وجہ سے جب گناہ معاف ہوتے ہیں تو اندازہ لگایا

جاسکتا ہے کہ بڑی بڑی بیماریوں کی وجہ سے آدمی کے کس قدر گناہ معاف ہوتے ہوں گے اور کس قدر درجات بلند ہوتے ہوں گے؟

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ----- آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتہ کی آستین (پاجیب) میں رکھتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس مال کے نہ ملنے سے غمگین ہوتا ہے (تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ دور کیے جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتا ہے، اور اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے کہ سونا اور چاندی بھٹی سے (آگ میں پڑنے کی وجہ سے) سرخ ہو کر نکلتے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح

حاصل حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو معمولی، معمولی تکلیف پر بھی اجر و ثواب دیتا ہے، یہاں تک کہ جیب میں رکھی ہوئی چیز کو بھول کر ادھر ادھر تلاش کرنے کی وجہ سے جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر بھی بندہ کو ثواب دیا جاتا ہے۔

(۶) حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون شخص زیادہ بلاء میں مبتلا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: انبیاء۔ پھر وہ لوگ جو انبیاء سے بہت زیادہ مشابہ ہوں پھر وہ لوگ جو ان سے بہت زیادہ مشابہ ہوں۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) انسان اپنے دین کے مطابق (مصیبت میں) مبتلا کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو

اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی ہلکی ہوتی ہے، (لہذا اپنے دین میں سخت شخص اسی طرح ہمیشہ) مصیبت و بلاء میں گرفتار رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ (اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔) (ترمذی، ابن ماجہ، داری)

تشریح

مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام مصیبت و بلاء میں سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں کیوں کہ وہ بلاء و مصیبت میں اسی طرح لذت محسوس کرتے ہیں جس طرح کے عام انسان نعمت و راحت میں لذت محسوس کرتے ہیں، پھر ان کے بعد وہ لوگ مصیبت و سختی میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی اولیاء اللہ اور صلحاء۔ انہیں بھی مصیبت و تکلیف کی سخت آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ بہت زیادہ ثواب کے مستحق ہوں، مگر ان کی مصیبت و بلاء کی سختی انبیاء کی مصیبت و بلاء کی سختی سے کم ہوتی ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا نمبر آتا ہے جو مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے اولیاء اللہ سے کم ہوتے ہیں۔

آخر میں یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص اپنے دین پر سختی سے قائم رہتا ہے اور کسی بھی مرحلہ میں اس کے قدم میں لغزش نہیں آتی ایسے آدمی کی مصیبت و بلاء بھی بڑی سخت ہوتی ہے کیوں کہ وہ صاحب یقین ہوتا ہے، چناں چہ جب وہ اپنی مصیبت کی سختی پر صبر کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے گناہوں کی وجہ

سے اسی کا اہل ہوں تو اس کی وجہ سے اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گناہ دور ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو شخص اپنے دین میں نرم رو ہوتا ہے، اس کی بلاء و مصیبت کی سختی بھی کم ہوتی ہے، تا کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ نہ کر سکے اور اپنے ایمان و تعلق باللہ کے قوی نہ ہونے کی وجہ سے دین کے دائرہ سے نہ نکل جائے۔ (مظاہر حق) (۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو روکے رکھتا ہے۔

تشریح

دنیا کی سزا بہر صورت آخرت کی سزا سے بہتر ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں کو جو کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، دنیا ہی میں مصیبت و تکلیف یا بیماری وغیرہ کی صورت میں سزا دے دیتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کا عذاب ہلکا ہوتا ہے بایں طور کہ دنیا کی مدت کم ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح گزر رہی جاتی ہے۔

ہاں! وہ لوگ جو اللہ کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے اللہ کا غضب مول لیتے ہیں اور آخرت کی بدبختی میں مبتلا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں سزا نہیں دیتا بلکہ ان کی رسی دراز کیے جاتا ہے تاکہ انہیں آخرت کے عذاب میں مبتلا کیا جائے جو دنیا

کے عذاب سے کہیں دردناک اور شدید ہوگا۔ (مظاہر حق)

(۸) حضرت محمد بن خالد سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا (یعنی اپنے والد مکرم) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے (جنت میں) جو عظیم درجہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کے مال یا اس کی اولاد کو (مصیبت میں) مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر تھا۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ مصیبت و بلا پر صبر کرنے کی وجہ سے اخروی سعادت کے اس عظیم درجہ و مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی عبادت و اطاعت کے ذریعہ سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ (مظاہر حق)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جب مبتلائے مصیبت و بلاء بہت زیادہ اجر و ثواب سے نوازے جائیں گے تو اہل عافیت (یعنی وہ لوگ جو دنیا میں مصیبت و بلاؤں سے محفوظ رہے اور ان کی زندگی بڑے عیش و عشرت میں گزری) یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے بدن کی کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی (تاکہ جس طرح مبتلائے مصیبت آج اتنے زیادہ اجر و ثواب سے نوازے جارہے ہیں اسی طرح ہمیں بھی بہت زیادہ ثواب ملتا) (ترمذی)

آج ہر شخص چاہتا ہے کہ چین و سکون اور عافیت کے ساتھ زندگی گزرے

اور کسی طرح کی مصیبت سے دوچار نہ ہو، لیکن جب آخرت میں مصیبتوں پر ملنے والے اجر و ثواب کا حال معلوم ہوگا تو آدمی یہ خواہش کرے گا کہ کاش کہ اسے ہر وقت مصیبت میں مبتلا رکھا جاتا اور اس کی کھال کو قینچیوں سے کتر دیا جاتا!!!

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنی عزت و بزرگی کی قسم! میں جس بندہ کو میں بخشنا چاہتا ہوں اسے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھاتا جب تک کہ اس کے بدن کو بیماری میں مبتلا کر کے اور اس کو رزق کی تنگی میں ڈال کر اس کے ہر گناہ کا بدلہ جو اس کے ذمہ ہو نہیں لے لیتا۔ (رزین)

تشریح

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس بندہ کو میں آخرت کی ابدی سعادت سے نوازا نا چاہتا ہوں اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں بایں طور دے دیتا ہوں کہ کبھی تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہوں کبھی مال و رزق کی تنگی اس پر مسلط کر دیتا ہوں، پس وہ بخشنا جاتا ہے اور عذاب آخرت سے نجات پاتا ہے۔
حاصل یہ ہے کہ فقر و بیماری اور بلاء و مصیبت گناہوں کو دور کرتی ہے۔

(۶)

خودکشی کا اخروی عذاب

زندگی بہت بڑی نعمت ہے، ایسی نعمت جس کا کوئی بدل نہیں، جو جانے کے بعد واپس نہیں آتی، انسان یہ نعمت اپنی محنت اور کدو کاوش سے حاصل نہیں کرتا، بلکہ کائنات کے رب کا عطیہ ہے، پس انسان اپنی ”زندگی“ کا خود مالک نہیں ہے، بلکہ امین ہے، زندگی اس نے حاصل نہیں کی ہے، بلکہ اسے عطا فرمائی گئی ہے، یہ اس کے پاس خالق کائنات کی امانت ہے اور ممکن حد تک اس کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کا علاج کرنے کی تاکید فرمائی، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا علاج کرایا اور اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ علاج کرانا توکل کے خلاف نہیں، کیوں کہ توکل اور قناعت کے اعلیٰ درجہ پر حضرات انبیاء کرام فائز تھے، اور وہ علاج بھی کراتے تھے اور حفظانِ صحت کے اصول کی رعایت بھی کرتے تھے۔

کوئی بھی ایسا عمل جو انسانی صحت یا زندگی کے لیے مضرت رساں ہو اور انسانی زندگی کو خطرہ میں ڈال سکتا ہو، جائز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی چیز کے کھانے سے منع فرمایا، جو نشہ آور یا جسم کو نقصان پہنچانے والی (مفتر) ہو ”مفتر“ یعنی جسم کے لیے مضرت رساں چیزوں کے کھانے کی ممانعت تو ظاہر ہے کہ صحت اور

زندگی کے تحفظ کے لیے ہے، لیکن نشہ آور چیزوں سے منع کرنے کی وجہ جہاں یہ ہے کہ اس سے انسان کی عقل و فہم پر زبرد پڑتی ہے اور بہت سے اخلاقی مفاسد اس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہیں یہ بھی ہے کہ یہ ایک میٹھا زہر ہے، جو موت کی طرف زندگی کے سفر کی رفتار کو بڑھا دیتا ہے۔

اسی لیے فقہاء نے نباتات میں سے ایسی چیزوں کے کھانے کو ناجائز قرار دیا ہے، جو زہر کے قبیل سے ہوں اور انسانی زندگی کے لیے خطرہ کا باعث ہو سکتی ہوں۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۵۰۶/۳)

اسلام تو اللہ کی عبادت اور بندگی میں بھی ایسے غلو کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی صحت کو برباد کر لے اور جان جو حکم میں ڈالے، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض حضرات نے یہ معمول بنالیا تھا کہ رات بھر عبادت میں مشغول رہتے اور دن بھر روزہ رکھتے، ایک دوسرے صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس سے منع کیا اور فرمایا: تم پر تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے، تمہارے اپنے وجود کا بھی حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اس لیے کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، نماز بھی پڑھو اور سونے کا بھی اہتمام کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کو درست قرار دیا اور تصویب فرمائی۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بچانے کے لیے دوا کے طور پر ایسی چیزوں کے استعمال کی بھی اجازت دی جو اصلًا ناجائز اور حرام ہیں۔ (بخاری: ۴۶/۱)

یہ اور اس طرح کی اسلامی تعلیمات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جیسے اسلام نے دوسروں کی جان بچانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح انسان پر یہ بات بھی واجب ہے کہ وہ بحد امکان اپنی جان کی حفاظت کرے، کیوں کہ زندگی اس کے پاس خدا کی امانت ہے اور امانت کی حفاظت اسلامی، اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے، اسی لیے اسلام کی نگاہ میں ”خودکشی“ بہت بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے، ایسا گناہ ہے جو اس کو دنیا سے بھی محروم کرتا ہے اور آخرت سے بھی۔ (ماخوذ - شمع فروزاں: حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہم العالی)

خودکشی کرنے والے کے ساتھ نہ صرف اللہ کا معاملہ دردناک ہوگا بل کہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور اس کے برے نتائج سے اس کے گھر والے اور عزیز واقارب دوچار ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے رشتے داروں سے معاشرے کے دوسرے لوگ تعلق نہیں رکھتے، رشتہ داری کرنے میں ان سے خائف ہوتے ہیں اور ان کے گھر والوں کے ساتھ طعن و تشنیع کا معاملہ کرتے ہیں۔

خودکشی کرنے والا تو چلا جاتا ہے مگر اس کے اس غلط عمل سے اس کے احباب کو کتنا نقصان پہنچتا ہے اس کا اندازہ اگر ہو جائے تو کوئی بھی اہل ایمان اس فعل حرام کا مرتکب نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کے رسول کریم ﷺ کو ایک مسلمان کے خودکشی کرنے کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔

اسلام نے کسی بھی حال میں خودکشی کی اجازت نہیں دی ہے، جس نے

انسان کو پیدا کیا، ماں کے شکم سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک اس کی حفاظت و نگرانی فرمائی اور سکون کی نعمت سے سرفراز کیا، وہی اپنے بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے اور وہی انہیں مشکلات سے نکالتا بھی ہے، انسان کو جب خوشی ملتی ہے تو وہ عیش کرتا ہے اور جب پریشانی آتی ہے تو وہ اس سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے اور اپنے اوپر موت طاری کرتا ہے، یہ کیسی بے وقوفی اور نادانی ہے، کچھ لوگ خودکشی کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ انسان اپنی جان کا مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے ختم کر دے یا باقی رکھے، طرفہ تماشایہ کہ عام حالات میں تو اس عمل کو وہ پسند نہیں کرتے مگر بیماری اور تکلیف کی حالت میں اس عمل کو بروئے کار لانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ایسا شخص زندگی کو اس لیے ختم کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کا باعث بن گئی ہے اور اس کی وجہ سے وہ سخت اذیت محسوس کر رہا ہے، یہ کتنی بودی دلیل ہے۔

حیرانی ہے کہ اسلام میں خودکشی کے بارے میں اتنی واضح تصریحات کے باوجود آج ہمارے معاشرے میں یہ بہت عام ہو گئی ہے، معاشرے میں مسائل اور پریشانیاں ضرور بڑھ گئی ہیں لیکن ایک مسلمان کو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ہمت و حوصلے سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے نہ یہ کہ وہ ہمت ہار کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے اور پس ماندگان کو مزید پریشانیوں کا شکار بنادے۔

خود قرآن مجید نے خودکشی سے منع فرمایا ہے۔

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو! (سورۃ البقرۃ: ۱۹۵)

اس سے مراد کسی مسلمان کا خودکشی کرنا ہے۔“ (بغوی، معالم

التزئیل: ۱/۴۱۸)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو کوئی تعدیٰ اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے (دوزخ کی) آگ میں ڈال دیں گے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔“ (النساء: ۲۹، ۳۰)

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ آیت مبارکہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنے اور خودکشی کرنے کی ممانعت پر دلیل شرعی کا حکم رکھتی ہے۔“ (رازی، التفسیر الکبیر: ۱۰/۵۷)

اسلام میں قبل از وقت موت کی تمنا کرنا بھی منع ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خودکشی کی اجازت دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی کسی مصیبت کے آنے سے موت کی تمنا نہ کرے، ہاں اگر موت کی تمنا کرنا ضروری ہو جائے تو کہے، اللہ تو مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور مجھے وفات دے جب میرے لیے موت بہتر ہو۔“

خودکشی کرنے والا جہاں اپنے ہاتھوں اپنی دنیا ختم کر لیتا ہے وہیں وہ آخرت میں بھی سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

احادیث:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی، وہ شخص ہمیشہ دوزخ میں گرایا جائے گا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا، جو شخص زہری کر خودکشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں پئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس سے کبھی نہیں نکلے گا، اور جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں گھونپے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خودکشی کر لی وہ دوزخ میں (بھی) اپنے آپ کو نیزے مارے گا۔ (بخاری)

(۳) حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔۔۔۔۔ اور جس نے دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کر لی اسے اسی چیز سے آخرت میں عذاب ہوگا۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری)

تشریح

خودکشی حرام ہے، اپنے آپ کو ہلاک کر لینا دنیا کے کسی مہذب قانون اور

سماج میں جائز نہیں ہے، اس کا تعلق دراصل اس بات سے ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے یعنی اس کا ظاہر بھی اور اس کا باطن بھی کیا وہ خود اس کا مالک ہے؟ یا اس کا ظاہر و باطن سب کچھ کسی اور کی ملکیت ہے؟ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ انسان بذات خود اپنے وجود کا بھی مالک نہیں ہے، بلکہ اس کا وجود اس دنیا میں صرف ایک امانت کے طور پر ہے، خود اس کے لیے بھی اور دنیا والوں کے لیے بھی اور اس کا مالک حقیقی وہ ہے جس نے اس کو تخلیق سے نوازا ہے اور اس دنیا میں پیدا کیا ہے، پھر کیا امانت میں خیانت نہیں ہے یہ کہ انسان اپنے وجود کو نقصان پہنچائے؟ کیا یہ جرم نہیں ہے کہ بندہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے؟ جس کا ظاہر و باطن سب کچھ پروردگار کی ملکیت ہے! یقیناً یہ ایک بڑا جرم ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، کیوں کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا درحقیقت غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور کسی بندہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ پروردگار کی ملکیت میں تصرف کرے اسی لیے شریعت نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ کہا ہے اور اس کے مرتکب کو بڑے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے (مظاہر حق) اول دو احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ طریقوں سے خودکشی کرنے والوں کے الگ الگ عذابات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔۔۔۔۔

(۱) جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی وہ شخص ہمیشہ دوزخ میں گرایا جائے گا اور وہاں ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔

(۲) جو شخص زہری کر خودکشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ

کی آگ میں پئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔

(۳) جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں گھونے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔

(۴) جس شخص نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا۔

(۵) جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خودکشی کر لی وہ دوزخ میں (بھی) اپنے آپ کو نیزے مارے گا۔

اور تیسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی انداز میں بات ارشاد فرمائی کہ ”جس نے دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کر لی اسے اسی چیز سے آخرت میں عذاب ہوگا۔“

ان سب امور کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی دنیا میں جس چیز کے ذریعہ خودکشی کرے گا آخرت میں اس کو ہمیشہ کے لیے اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

ان احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خودکشی کرنے کا عذاب کتنا سخت ہے؟ کہ آدمی ایک لمبی مدت تک اسی عذاب میں گرفتار ہوگا، اور یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ اس عذاب کی ابتداء عالم برزخ یعنی قبر ہی سے شروع ہو جائے گی۔

ان احادیث میں موجود لفظ ”مخلدا اور ابداً خالداً“ کی تاکید ہیں۔

”ہمیشہ“ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی کو حلال جان کر ارتکاب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

یا پھر ”ہمیشہ ہمیشہ“ سے مراد یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اطمینان قلب کے ذرائع

یہاں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کے لیے اسلامی ذرائع پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) قرآن کریم سے تعلق

دنیا کی الجھنوں سے مضطرب دلوں، پیاروں سے بچھڑنے والوں، غم کے ماروں اور چین و سکون کے متلاشیوں کے لیے قرآن کریم ایسا ذہنی و قلبی اطمینان و سکون فراہم کرتا ہے جو اس کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا ہے، یہ جہاں دھوکہ کھائے ہوئے لوگوں کے لیے باوفا دوست ہے، وہیں امراض و مشکلات اور گردش ایام کے کھائے ہوئے ٹھوکروں سے چور کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جملہ امراض عوارض سے نجات دہندہ ہے۔

ارشاد ہے:

”یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔“ (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۲)

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے، جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں، ان کے لیے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔“ (سورۃ النساء: ۲۹)

یہ جہاں جسمانی امراض کے لیے نسخہ شفا ہے، وہیں صدور و قلوب کے ہر شبہات و شہوات کا ازالہ کرنے والا ہے۔

یہی وجہ کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین تلاوت قرآن کے ذریعہ ذہنی اضطراب دور کرتے تھے اور اپنی بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے، اس لیے دنیا کی الجھنوں سے مضطرب دلوں، پیاروں سے بچھڑنے والوں، غم کے ماروں اور چین و سکون کے متلاشیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی ضرورت تلاوت کریں۔

(۲) ذکر واذکار اور دعا

اللہ رب العالمین کی تسبیح و تحمید، اس سے ہمہ وقت تعلق کا احساس، اس کے سامنے دست بدعا ہو کر اپنی عاجزی و بے بسی کا اظہار اور اپنی پریشانیوں اور مشکلوں کو بیان کر کے اس سے فریاد کرنا جہاں اس کی نصرت و مدد کا موجب ہے وہیں اس سے انسان کو ذہنی و قلبی چین و سکون، فرحت و انبساط نصیب ہوتی ہے، اللہ کا ارشاد ہے۔

”جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔“ (سورۃ الرعد: ۲۸)

ذکر کرنے والوں کو اللہ یاد کرتا ہے:

”اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔“ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۲)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جب کوئی قوم اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھتی ہے تو فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں، اسے رحمت ڈھانپ لیتی ہے، سکینت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ اپنے پاس موجود مخلوق میں اس کا تذکرہ کرتا ہے۔“

”جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک بازو قریب ہوتا ہوں اور جب وہ ایک بازو قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک باع (دونوں ہاتھوں کے پھیلائے کی مقدار) قریب ہوتا ہوں، اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کے آتا ہوں۔“

حوصلہ افزاء واقعات

ہر شخص کی زندگی میں ناکامیاں آتی ہیں، کبھی اپنی مرضی کا کام نہیں ملتا تو کبھی سخت محنت کے باوجود اس کا مناسب صلہ نہیں ملتا، لیکن کامیابی کا خواب دیکھنے والے لوگ ناکامیوں کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے، وہ مایوسیوں کے بیچ سے امکانات کے پہلو تلاشنے کے بعد نئی توانائی کے ساتھ سفر جاری رکھتے ہیں، ان کی مسلسل محنت اور مستقل مزاجی بالآخر انہیں منزل سے ہمکنار کر دیتی ہے، ہمارے ارد گرد ایسی کئی کہانیاں بکھری پڑی ہیں جو ہمت، حوصلے اور جہد مسلسل سے عبارت ہیں، یہاں دنیا

کے کچھ مشہور اور کامیاب لوگوں کی زندگی کے نشیب و فراز کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے، جنہوں نے ناکامیوں کو اپنا تعارف نہیں بنے دیا۔ انہوں نے سخت محنت کو اپنا وطیرہ بنایا اور آج دنیا ان کا نام احترام اور محبت سے لیتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق اور اعلانِ توحید کی راہ میں اپنے ہی لوگوں کی طرف سے ایسے ایسے مصائب و آلام دیکھے کہ کوئی اور ہوتا تو ہمت ہار جاتا! مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر و استقامت کے کوہِ گراں تھے، دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر آپ کو ستایا، جھٹلایا، بہتان لگایا، مجنون و دیوانہ کہا، ساحر و کاہن کا لقب دیا، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر غلاظت ڈالی، لالچ دی، دھمکیاں دیں، اقتصادِ دنیا کو بند کر دیا اور سماجی مقاطعہ کیا، آپ کے شیدائیوں پر ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے پہاڑ توڑے، نئے نئے لرزہ خیز عذاب کا دروازہ کھول دیا کہ کسی طرح حق کا قافلہ رک جائے، حق کی آواز دب جائے، مگر دورِ انقلاب شروع ہو گیا تھا، توحید کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، اس کو غالب آنا تھا۔ یریدون لیطفوا نور اللہ بافواہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (القرآن) کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (ایمان و اسلام) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کفار اس کا ناپسند کریں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ابتلاء و آزمائش میں جتنا

مجھ کو ڈالا گیا کسی اور کو نہیں ڈالا گیا، اسی طرح آپ کے صحابہ پر جتنے مظالم ڈھائے گئے کسی اور امت پر نہیں ڈھائے گئے۔

ان سب حالات کے باوجود آپ استقامت کے ساتھ حق کی آواز کو بلند کرتے رہیں یہاں تک کہ سن ۸ھ میں آپ صلی اللہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اور دھیرے دھیرے اسلام کی شعائیں پوری دنیا میں پھیل گئی، اور چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عزت سے لیا جاتا ہے، یہ تو دنیوی فائدہ ہے اور آخرت میں آپ کو کیا کچھ ملے گا اس کا تو اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا ہے!!!

نعوذ باللہ! اگر آپ مصائب و آلام کی وجہ سے ہمت ہار جاتے تو کیا آپ کا یہ دین پوری دنیا میں پھیلتا اور کیا آپ کو یہ دنیوی اور اخروی مقام حاصل ہوتا؟ مصائب و آلام سے تو ہر شخص کو سابقہ پڑتا ہے، خوبی اور کمال کی بات یہ آدمی پامردی سے اس کا مقابلہ کرے تو ایک نہ ایک دن مصائب چھٹ جاتے ہیں، اور آدمی کو دنیوی و اخروی ہر طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت بلال حبشیؓ کا اسلام اور مصائب

حضرت بلال حبشیؓ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے، اسلام لے آئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیئے جاتے تھے، امیہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ان کو سخت گرمی

میں دو پہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مرجائیں اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی اُحد اُحد کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے، رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا تھا کہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مرجائیں، عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابو جہل کا نمبر آتا، کبھی امیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔ (فضائل اعمال)

یہ ابتدائی زندگی کے حالات تھے، ان مصائب و پریشانیوں کے بعد مدنی زندگی میں قدرے خوشحالی آتی ہے، اور دینی اعتبار سے یہ مقام حاصل ہوتا کہ یہ حبشی غلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے اول مؤذن متعین کیے جاتے ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ارشاد نکلتا ہے کہ بلال! کیا بات ہے میں جنت میں تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنتا ہوں! اللہ اکبر کتنا بڑا مقام اور مرتبہ حاصل ہوا۔

اور دنیوی اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام مسلمانوں کی زبان پر ہے، مسلمان بڑے ہی عزت و احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہیں

اور اسلام کی خاطر انہوں نے جن مشقتوں کو برداشت کیا اسے فخر سے بیان کرتے ہیں، اور جب بھی ان کا نام لیتے ہیں شروع میں ”حضرت“ اور آخر میں ”رضی اللہ عنہ“ ضرور ملاتے ہیں۔

نعوذ باللہ! اگر آپ مصائب و آلام کی وجہ سے ہمت ہار جاتے تو کیا آپ کو یہ دنیوی اور اخروی مقام حاصل ہوتا؟

اس طرح کے افراد دور صحابہ میں بکثرت ہیں، جنہوں نے مصائب و آلام کا جواں مردی سے مقابلہ کیا اور ان مصائب و آلام پر خندہ پیشانی سے صبر کیا، کبھی استقامت کے دامن کو نہیں چھوڑا، بلکہ برابر محنت و مجاہدہ کرتے رہیں یہاں کہ یہ پریشانیوں اور تکالیف کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور امیدوں کی صبح نور روشن ہو گئی اور رہتی دنیا تک ان کے اسمائے گرامی اور کارہائے نمایاں باقی رہ گئے۔

اس طرح کے جواں مردوں کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، لیکن طوالت کے خوف سے انہیں ترک کیا جاتا ہے۔

کیا خودکشی کرنے والے کی مغفرت ہو سکتی ہے؟

جو آدمی دنیا میں ساٹھ ستر سال تک کفر و شرک کی زندگی گزارے پھر صدق دل سے توبہ کر لے اور اسلام قبول کر لے تو ساٹھ ستر سال کے کفر و شرک کا گناہ بھی یکلخت معاف ہو جاتا ہے، ہاں اگر کفر و شرک کی حالت میں موت ہوئی تو اسے کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

کفر اور شرک کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اس میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ اگر آدمی ان گناہوں کو حلال سمجھ کرے اور یہ کہے کہ یہ گناہ میرے لیے حلال ہے تو وہ آدمی کافر ہو جائے گا، اگر تجدید ایمان سے پہلے انتقال کر گیا تو کفر کی حالت میں مرنے کی وجہ سے کبھی مغفرت نہیں ہوگی، اور اگر توبہ کر لی اور تجدید ایمان بھی کر لیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

اور اگر کسی گناہ کو حرام سمجھ کر کیا اور پھر زندگی میں توبہ کر لے تو امید ہے کہ اس کا وہ گناہ معاف ہو جائے اور اگر توبہ نہیں کہ اور اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا اس گناہ کی سزا کے بھگتنے تک دوزخ میں رکھے گا۔

خودکشی کرنا اگرچہ سنگین جرم ہے، کبیرہ گناہ ہے، لیکن جب تک حلال سمجھ کر نہ کرے وہاں تک کفر و شرک جیسا گناہ نہیں ہے، اس لیے خودکشی کرنے والے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا تو سزا کے بھگتنے تک دوزخ میں رکھے گا۔

یہاں دو واقعے ذکر کیے جاتے ہیں، ایک واقعہ میں خودکشی کرنے والے کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کیا گیا، جب کہ دوسرے واقعہ میں خودکشی کرنے والے کی مغفرت کر دی گئی، دونوں واقعے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں۔

(۱) حضرت جناب ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ارشاد فرمایا کہ: تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص تھا (جو

کسی طرح) زخمی ہو گیا تھا، چناں چہ (جب زخم کی تکلیف شدید ہونے کی وجہ سے) اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو چھری اٹھائی اور اپنے (اس) ہاتھ کو کاٹ ڈالا (جس میں زخم تھا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زخم نہ رکا اور وہ مر گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں میرے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا (بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا) لہذا میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

دیکھئے! اس واقعہ میں خودکشی کرنے والے کی مغفرت نہیں کی گئی، بلکہ جنت کو اس پر حرام کر دیا گیا!!!!

”میں نے جنت کو حرام کر دیا“ اس بات پر محمول ہے کہ اس نے خودکشی کو حلال جانا تھا اور چوں کہ ایک حرام چیز کے بارے میں حلال کا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے، اس لیے اس پر دخول جنت کو حرام کر دیا گیا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک وہ دوزخ میں جا کر اپنے کیے کی سزا نہ بھگت لے، اس کو اول مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں جانے سے محروم کر دیا گیا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو طفیل ابن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آ گئے، ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی (اتفاق سے) وہ شخص مدینہ میں بیمار ہو گیا اور (جب مرض نے شدت اختیار کی) اس سے صبر

نہ ہوسکا، چناں چہ اس نے تیر کی پریکان لے کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ انتقال فرما گئے (ان کے انتقال کے ایک دن بعد) طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ: تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے کہ میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں تمہیں اپنے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے دیکھ رہا ہوں اس شخص نے (بڑی حسرت کے ساتھ) کہا کہ (پروردگار کی طرف سے) مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود خراب کیا ہے، ہم اس کو درست نہیں کریں گے، جب طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ان کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے۔ (مسلم)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی خودکشی کرنے والے کی اس کے کسی نیک عمل کی برکت سے مغفرت کر دی جاتی ہے، اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت بھی کی جاسکتی ہے، اس کے لیے ایصال ثواب بھی کیا جاسکتا ہے، اور زندہ لوگوں کی دعا اور ایصال ثواب کی برکت سے اس کی بھی مغفرت ہو سکتی ہے، اگر خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرنا درست نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ان کے لیے دعائے مغفرت نہ فرماتے!!

خودکشی کرنا انتہائی سنگین جرم ہے، لیکن اگر کوئی آدمی خودکشی کر لے تو اس کے بارے یقین کے ساتھ یہ نہ کہا جائے کہ وہ دوزخ میں جائے گا، بلکہ اس کے بارے میں یہ امید رکھنی چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کسی نیک کام کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی ہوگی، اسی طرح اس کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام کرتے رہنا چاہیے۔

شریعت کا ایک یہ بھی اہم اور مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی آدمی کے بارے میں چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو (جب تک کفر کی حالت میں موت کا قطعی یقین نہ ہو) قطعیت کے ساتھ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ آدمی جہنمی ہے، جہنم میں جائے گا، ہو سکتا ہے کہ اس نے زندگی میں نیکی کا کوئی ایسا کام کیا ہو جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اتنا مقبول و پسندیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی ہو!!!

اس طرح کے واقعات احادیث میں موجود ہیں، جیسے ایک زانیہ کی محض اس وجہ سے مغفرت ہوئی کہ اس نے پیا سے کتے کو پانی پلا دیا تھا۔

اسی طرح کوئی آدمی کتنا ہی بڑا بزرگ کیوں نہ ہو اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ آدمی جنتی ہے، (ہاں امید ظاہر کی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ مغفرت ہو جائے گی۔) اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ زندگی میں اس سے ایسا کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو، جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اتنا نا پسندیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی گناہ کی نحوست سے اس کی مغفرت نہ کی ہو!!!

ایسے واقعات بھی احادیث میں موجود ہیں کہ ایک عابدہ، زاہدہ عورت کی محض اس وجہ سے مغفرت نہیں ہوئی کہ اس نے بلی کو باندھے رکھا، نہ اسے خود کھلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ خود اپنے خوراک کا انتظام کر لیتی !!!

ان پر امید باتوں کی وجہ سے خودکشی کی جسارت بھی نہیں کرنی چاہیے کہ چلو مغفرت ہو جائے گی! اس لیے کہ مغفرت کا ہونا یقینی نہیں ہے، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب میں گرفتار ہونا پڑے، جیسے واقعہ نمبر۔ ۱، میں ذکر کیا گیا۔

آخری بات

اسلام میں زندگی اللہ رب العالمین کی ایک بیش بہا نعمت سمجھی جاتی ہے، یہ ایسی نعمت ہے جو صرف ایک بار نصیب ہوتی ہے، زندگی کے حالات اور اس کے موجوں کے تھپیڑوں سے گھبرا کر خود اپنے ہاتھوں اپنی جان گنوا دینا حماقت و بے وقوفی ہے، اگر زندگی کے دامن میں کئی محرومیاں، تشنگیاں، پریشانیاں اور دکھ ہیں تو زندگی میں نعمتوں، محبتوں اور عنایتوں کی بہتات بھی ہے۔

پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (سورۃ الشرح: ۵-۶)

اگر ہم خود اپنے ہنر سے سماج و معاشرہ کی جکڑ سے نکل کر اپنی دنیا آپ سجانا چاہیں تو اپنی خواہشات کو مختصر کر دیں، اپنی ضروریات کی فہرست چھوٹی کر دیں، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر قناعت کرنا سیکھ لیں اور اپنے حال پر مطمئن ہو جائیں تو ایک حسین

وجہیل دنیا کی تخلیق کر سکتے ہیں اور فرحت و انبساط، چین و سکون کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھا سکتے ہیں، یاد رہے کہ خواہشات اور ہوس کی دنیا میں ساری نعمتوں کی فراوانی کے باوجود چین و سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوتی۔



شادی بیاہ

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری دنیا کے لیے رسول بن کر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی و موت کے تمام معاملات میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے، انسانی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت نکاح بھی ہے، اسلام نے نکاح اور ازدواجی زندگی کے احکام بھی بیان فرمائے ہیں بلکہ اسے عبادت اور ایمان کی حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ بھی قرار دیا ہے، اسلامی زندگی میں شادی کا تصور بہت آسان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیائے کرام رحمہم اللہ نے اس فریضہ کو سادگی سے انجام دے کر ہمارے لیے بہترین نمونہ پیش فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نکاح کی کچھ مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ اسلام نے نکاح میں کس قدر سادگی کا حکم دیا ہے، اور کس قدر سادگی کے ساتھ بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے بعد شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و ولیمہ میں بلا یا، ولیمہ میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں اقط اور گھی رکھ دیا گیا۔ (بخاری)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا نکاح خیبر کی جنگ سے واپسی پر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزاری، شب زفاف کے بعد ولیمہ اتنی سادگی کے ساتھ کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ اس دسترخوان پر ڈال دیں، لوگ اپنے پاس بچی ہوئی کھانے کی چیزیں لا کر دسترخوان پر ڈالنے لگے، جب اس طرح کچھ کھانا جمع ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ! جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہ حضرت صفیہ کا ولیمہ“ ہے۔

دیکھئے کتنی سادگی کے ساتھ نکاح کیا گیا، ایک تو سفر کی حالت میں راستہ میں نکاح ہوا، دوسرے راستہ ہی میں خیمہ لگا کر شب زفاف گزاری گئی، تیسرے ولیمہ میں مستقل کھانا نہیں پکایا گیا بلکہ لوگوں کے پاس بچا ہوا کھانا ہی جمع کر کے ولیمہ کی تقریب انجام دی گئی۔

اگر دھام دھوم کے ساتھ شادی کرنا، شادیوں میں خرچہ کرنا، شب زفاف میں شور شرابا کرنا اور ولیمہ کے لیے مستقل دیگیں چڑھانا شریعت کی نگاہ میں ضروری ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا اہتمام فرماتے !!!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، واپس ہوتے ہوئے جب ہم مدینہ

منورہ کے قریب پہنچے تو میں اپنے سست رفتار اونٹ کو تیز چلانے لگا، ایک صاحب نے پیچھے سے میرے قریب پہنچ کر میرے اونٹ کو ایک لکڑی سے مارا، جس کی وجہ سے اونٹ بڑی اچھی چال چلنے لگا، جیسا کہ تم نے اچھے اونٹوں کو چلتے ہوئے دیکھا ہوگا، میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تم نے شادی کر لی؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔۔۔۔۔ الخ (بخاری)

دیکھئے! کس قدر سادگی سے نکاح کیا گیا کہ حضرات صحابہ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوب کوئی شخصیت نہیں تھی، اور مدینہ، منورہ اس زمانہ میں بہت زیادہ بڑا بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ وسلم کو دعوت دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، اور نا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکایت کی کہ شادی کر لی اور مجھے بلایا تک نہیں۔

یہ سادگی کے ساتھ نکاح آپ صلی اللہ علیہ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ ہمارے یہاں تو یہ حال ہے کہ اگر شادی کی دعوت نہ دی جائے تو آدمی زندگی بھر تک کے لیے ناراض ہو جاتا ہے اور موت تک بات کرنا چھوڑ دیتا ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بدن یا کپڑے پر زعفران کا زرد نشان

دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک کھجور کی کھٹلی سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے۔ تم ولیمہ کرو یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ کیا ہے؟ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع فرماتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کے لیے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی؟ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے قصد انہیں لگائی ہے بلکہ دلہن سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

”تم ولیمہ کرنا اگرچہ ایک بکری سے ہو!“

اس طرح کی عبارت تقلیل کم سے کم مقدار بیان کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور تکثیر کے لیے استعمال کی جاتی ہے، یہاں دونوں احتمال ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی مالی حالت بہتر ہونے کے باوجود انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کیا، یہاں تک کہ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی، حالاں کہ وہ اکثر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کے لیے تشریف لاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کوئی شکایت نہیں فرمائی کہ مجھے کیوں بلایا نہیں گیا؟ صرف ایک امر پر تنبیہ فرمائی کہ ولیمہ کر دیجئے۔ ولیمہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق کرنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی ہے تو اس کے مطابق اور اگر مالی وسعت نہیں تو اپنی حیثیت کے مطابق، اور اگر کوئی ولیمہ نہ بھی کرے تو شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، اور نہ ولیمہ ترک کرنے والے کے لیے کوئی سزا ہے اور نہ وہ ملامت کا مستحق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طے پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو دعوت دی اور انہیں مجلس نکاح میں شریک کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجلس نکاح میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا بھی سنت ہے، اگر لوگوں کو مجلس نکاح کی دعوت دی جائے تو یہ عمل اس حدیث کی روشنی میں درست ہے، اور اگر لوگوں کو دعوت نہ دی جائے اور موجود لوگوں کی حاضری میں نکاح کر لیا جائے تو یہ بھی درست ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایات سے معلوم ہوا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا واقعہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ فرماتے ہوں تو اس عورت سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس لنگی کے علاوہ جسے میں باندھے ہوئے ہوں میرے پاس کوئی اور چیز نہیں!!! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ! کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ! اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو، جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے، اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو (بخاری و مسلم)

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہبہ کو قبول فرما لیتے تو وہ عورت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے لیے کچھ مہر واجب نہیں ہوتی تھی، یہ امر اور کسی کے لیے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے، بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے جائز تھا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے ”اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دے۔ (یعنی مہر لیے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ عورت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے، لیکن اے محمد! یہ اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔ (مظاہر حق)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتنی سادگی کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا، ایک عورت اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہے، آپ کو کسی وجہ سے رغبت نہیں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے ہیں، وہاں موجود صحابہ میں ایک صحابی جن کی حالت یہ ہے کہ بدن پر پورے کپڑے بھی نہیں ہے، صرف لنگی باندھے ہوئے ہیں اور گھر کی حالت یہ ہے کہ گھر میں لوہے کے انگوٹھی کے بقدر سامان بھی نہیں ہے، اس کے باوجود محض قرآن مجید کی کچھ سورتوں کے حافظ ہونے کی وجہ سے دین داری کی بنیاد پر اس عورت کا نکاح

کر دیتے ہیں اور وہ عورت اس نکاح کو قبول کر لیتی ہے، اور اسی وقت نکاح کر دیا جاتا ہے۔

یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔
آج ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس طرح کی شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں، آج کل تو دین داری کو تو سب سے پیچھے کر دیا گیا ہے، اکثر صرف مال داری کی بنیاد پر ہی نکاح کیا جاتا ہے۔

یہ چند واقعات ہیں جس سے انداز لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کے نکاح کی ترغیب دی ہیں اور کس طرح کے نکاح کو پسند فرمایا ہے۔
لیکن صد افسوس! موجودہ زمانہ میں ہم نے خود ہی نکاح جیسی سنت کو حرام رسم و رواج، ناجائز پابندیوں اور فضول خرچیوں سے مشکل بنا دیا ہے، جس سے ہمارے معاشرے میں سودی قرضے، لڑائی جھگڑے اور نفرت و انتقام کی آگ کے ساتھ ساتھ خودکشی جیسی بُرائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔

شادی کو مشکل بنانے والے کچھ رسم و رواج اور اسباب ذکر کیے جاتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱) پیغام نکاح

شریعت مطہرہ نے پیغام نکاح کے بارے میں یہ تعلیم دی ہے کہ پیغام نکاح لڑکے والے کی طرف سے بھی دیا جاسکتا ہے اور لڑکی والے کی طرف سے بھی دیا

جاسکتا ہے، عام طور پر لڑکی والے کی طرف سے پیغام نکاح پہنچائے جانے کو ناپسند کیا جاتا ہے لیکن شریعت کی نگاہ میں یہ عمل ناپسندیدہ نہیں ہے، جب کسی جگہ سے پیغام نکاح آئے تو دین داری کو مقدم رکھا جائے، لڑکا اگر دین دار اور شریعت کا پابند ہے تو نکاح کرنے میں محض غربت کی وجہ سے تاخیر کرنا شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اس لیے کہ مال تو آنے جانے والی چیز ہے، آج ہے تو کل نہیں، لوگ معمولی مدت میں کروڑ پتی بھی بن جاتے ہیں اور کروڑ پتی معمولی مدت میں روڑ پتی بھی بن جاتے ہیں۔

پیغام نکاح آنے کے بعد تحقیق کرنا تو اچھا ہے لیکن ہمارے سماج اور معاشرے میں پیغام نکاح کے سلسلہ میں یہ کوتاہی پائی جاتی ہے کہ پیغام نکاح آنے کے بعد انتہائی چھان بین جاسوسی کی حد تک کی جاتی ہے، اور معمولی معمولی کمی و کوتاہی کی وجہ سے بار بار کے دھکے کھلانے کے بعد منع کر دیا جاتا ہے، یا حاسدین کی باتوں میں آکر منع کر دیا جاتا ہے، اگر پیغام نکاح منظور ہوتا ہے تو بھی جان بوجھ کر دھکے کھلائے جاتے ہیں، ایسا بھی دیکھا گیا کہ ایک لڑکی کے ۹۹ جگہ سے پیغام نکاح آئے سب رد کر دئے گئے اور ۱۰۰ ویں جگہ نکاح مال داری کی بنیاد پر ہوا اور شادی کے صرف دو ماہ کے بعد ہی میاں بیوی اور ساس بہو میں جھگڑے شروع ہو گئے۔

یہ حقیقی واقعہ ہے کوئی فرضی مثال نہیں ہے۔

کبھی مال داری اور اچھے خاندان کے انتظار میں لڑکی نکاح کی عمر سے تجاوز کر جاتی ہے اور کبھی بدکاری میں مبتلا ہو جاتی ہے، ان سب کا وبال والدین کے ذمہ

ہوتا ہے۔

اس لیے اس سلسلہ میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اور استخارے کے بعد فوری فیصلہ کر لینا چاہیے۔

(۲) منگنی

ہمارے معاشرے میں منگنی کے نام پر بھی پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں، اگر منگنی سا لہا سال رہے تو عید پر عیدی کے نام سے اور دیگر تہواروں پر ان کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ کپڑے جوتے وغیرہ کا تبادلہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ بھی غلط رسم و رواج ہے، شریعت نے تو جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کی ترغیب دی ہے۔

لمبی مدت تک منگنی کے رہنے کی وجہ سے ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہو جاتی ہے، حالاں کہ منگنی کوئی نکاح نہیں ہے، بلکہ صرف نکاح کا وعدہ ہے، اس لیے دونوں ایک دوسرے کے حق میں اجنبی کے درجہ میں ہوتے ہیں، بات چیت کرنے اور خلوت میں جمع ہونے اور سیر و تفریح میں ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں کو زنا کرنے کا گناہ ہوگا۔

(۳) شادی کارڈ

شادی کارڈ کے نام پر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے، اور مہنگے مہنگے شادی کارڈز بنوا کر آدمی فضول خرچی کے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، یہ

عمل بھی سراسر اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔

(۴) مو میرو

یہ ہندوؤں کی رسم ہے، شریعت سے اس رسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس رسم کو چھوڑنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

(۵) شادی ہال (Marriage Hall)، شامیانہ، سٹیج اور ڈی۔ جے۔

شادی ہال، شامیانہ اور اسٹیج کے نام پر بھی بہت زیادہ اسراف کیا جاتا ہے، اسراف کرنے والوں کو قرآن مجید نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے، ان سب چیزوں سے نکاح کی برکات ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچہ کیا جائے، جب زیادہ خرچہ بلکہ اسراف کیا جائے گا تو نکاح کی برکات یقیناً ختم ہو جائے گی۔

گانا، گیت، سنگیت اور ڈی۔ جے۔ شریعت میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ مجھے گیت، سنگیت کے آلات کو ختم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی گیت سنگیت سنے گا قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں پگھلایا ہوا سیسہ (ایک دھات) ڈالا جائے گا۔

(۶) مہندی لگانا

یہ عمل بھی شریعت کی نگاہ میں بہت سی برائیوں کو لیے ہوئے ہے، نامحرم عورتوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، بدنظری، مہندی لگانے میں عورتوں کی مشابہت جیسے

گناہوں کا آدمی مرتکب ہوتا ہے۔

(۷) مہر

مہر کے سلسلہ لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں، مہر اپنی حیثیت کے مطابق مقرر کرنا یہ شریعت کی تعلیم ہے، کم سے کم مہر 30.618 گرام چاندی یعنی 2.625 تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور مہر فاطمی کی مقدار 131.25 تولہ چاندی ہے، اس سے زیادہ بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔

لیکن جبر کرنا درست نہیں، عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ مہر فاطمی پر اصرار کرتے ہیں، لڑکے والے کی اتنی حیثیت نہیں ہوتی ہے تب بھی ان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے، اور وہ مجبور ہو کر تیار ہو جاتے ہیں، اس طرح زبردستی مال لیا جائے یہ شریعت کی نگاہ میں حرام ہے۔

وسعت والوں کو اپنی وسعت کے مطابق زیادہ مہر دینی چاہیے لیکن جن کے پاس گنجائش نہیں ہے ان پر زور زبردستی بھی نہیں کرنی چاہیے، اور کم سے کم مہر کی مقدار سے کمی کرنا بھی درست نہیں۔

(۸) جہیز کا سامان

جسے ہمارے عرف میں سادھ کہا جاتا ہے، یعنی لڑکی والوں سے جہیز کا سامان مانگنا جیسے الماری، برتن، پلنگ، فرج، واشٹر مشین، ٹیبل، کرسیاں، گاڑی، موبائل اور اس جیسی دیگر اشیاء کا مطالبہ کرنا درست نہیں، ان سب چیزوں کا انتظام کرنا خود مرد کی ذمہ داری ہے۔

(۹) شب زفاف

شب زفاف کے تعلق سے ایک رسم یہ چل پڑی ہے کہ لڑکے کے دوست دھوم دھام سے لڑکی کو لینے کے لیے جاتے ہیں، اور شور و ہنگامہ کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو سراسر غلط اور بے حیائی کا کام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر چھوڑ آئے تھے، تو اصل سنت تو یہی ہے کہ خود لڑکی کا باپ تنہا لڑکی کو بغیر کسی شور و ہنگامہ کے شوہر کے گھر پہنچا دے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو گھر کی عمر والی مستورات کے ساتھ بغیر کسی شور و ہنگامہ کے شوہر کے گھر پہنچا دے۔

دوسری ایک غلط رسم یہ رائج ہو گئی ہے کہ شب زفاف کے کمرے کو سجانے میں انتہائی فضول خرچی سے کام لیا جاتا ہے اور اب بے شرمی کی حد یہ ہو گئی کہ اس کا کل خرچ لڑکی والوں کے ذمہ کر دیا جاتا ہے، ایک تو فضول خرچی اور دوسرے بے شرمی اور بے غیرتی کی انتہا!!

(۱۰) پہلی ولادت کا خرچ

عام طور پر پہلی ڈیلیوری کا خرچ لڑکی والوں کے ذمہ کر دیا جاتا ہے، شریعت کی نگاہ میں جب مرد کی شادی کسی عورت سے ہو جائے تو مکان، کھانا پینے، کپڑے لٹے کے ساتھ دوا علاج کا کل خرچ مرد کے ذمہ لازم ہے، اس لیے ولادت

کا خرچ بھی مرد ہی کو برداشت کرنا ضروری ہے۔

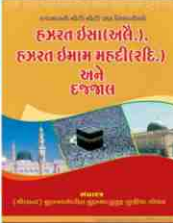
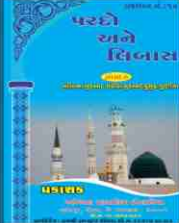
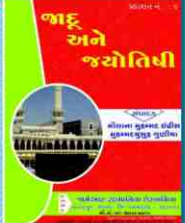
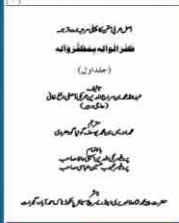
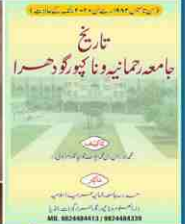
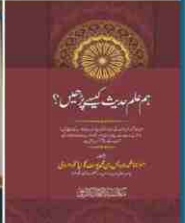
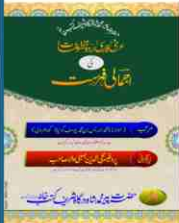
خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام میں شادی کا عمل انتہائی آسان ہے، پیغام نکاح اور منگنی کے بعد جتنا جلد ہو سکے نکاح کر دیا جائے، نکاح میں صرف اپنی حیثیت کے موافق مہر ادا کرنا ہے، صرف اتنا ضروری ہے کہ مہر 30.618 گرام چاندی یعنی 2.625 تولہ چاندی یا اس کی قیمت سے کم نہ ہو، اور دوسرا خرچ ولیمہ کا ہے، ولیمہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے، سنت ہے کو کرنا چاہے کرے ورنہ کوئی گناہ نہیں، اگر کرنا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق کرے اس میں اسراف کو شریعت نے ناپسند کیا ہے۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

نمبر	اسمائے کتب	صفحات	ناشر
۱	ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟	۲۷۲	ادارہ صدیق
۲	ہم حدیث کا درجہ کیسے پہچانیں؟	۲۷۲	ادارہ صدیق
۳	شرح حدیث کے لیے ضروری امور	۱۲۸	غیر مطبوع
۴	حضرت محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست جلد - ۱۱	۲۶۲	پیر محمد شاہ کتب خانہ احمد آباد
۵	حضرت محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست جلد - ۱۲	۲۶۲	پیر محمد شاہ کتب خانہ احمد آباد

۶	حضرت محمد شاہ احمد آباد کتب خانہ کے مخطوطات کی اجمالی فہرست	۳۰۰	پیر محمد شاہ کتب خانہ احمد آباد
۷	ترجمہ: ظفر الوالہ بمظفر وآلہ (دو جلدیں)	۱۳۰۰	غیر مطبوع
۸	حضرت عیسیٰ، حضرت امام مہدیؑ اور دجال (گجراتی)	۱۵۲	9904857912
۹	خانقاہ کیا ہے؟ (گجراتی)	۲۵۲	جامعہ رحمانیہ
۱۰	پردہ اور لباس (گجراتی)	۴۸	جامعہ رحمانیہ
۱۱	جادو اور جیوتشی (گجراتی)	۴۸	جامعہ رحمانیہ
۱۲	تاریخ جامعہ رحمانیہ و ناکپور گودھرا	۲۶۵	جامعہ رحمانیہ
۱۳	وصیت نامہ۔ تاکید، اہمیت، فضیلت (اردو)	۹۲	جامعہ رحمانیہ
۱۴	وصیت نامہ۔ تاکید، اہمیت، فضیلت (گجراتی)	۷۲	جامعہ رحمانیہ
۱۵	خودکشی ایک سنگین جرم (اردو)	۸۰	جامعہ رحمانیہ
۱۶	خودکشی ایک سنگین جرم (گجراتی)	۸۰	جامعہ رحمانیہ

مؤلف کی تالیفات



MADRASA JAMIAH RAHMANIYAH ARABIYAH ISLAMIYAH
DARUL ULOOM, VANAKPUR, GODHRA-389001
PANCHMAHAL, GUJARAT, INDIA MO. 9824484339 / 9824484413

Design : Faiz-e-aam Godhra-9978376376